Journal of Religion & Society **(JR&S)**
Available Online:
https://islamicreligious.com/index.php/Journal/index
Print ISSN: 3006-1296Online ISSN: 3006-130X
Platform & Workflow by: Open Journal Systems

An Analytical Study of the Socio-Cultural Impact of Atheism in Pakistan

پاکستانی معاشرے پر الحاد کے اثرات کا جائزہ

Mehboob Hussain
Ph.D Scholar, Department of Islamic Studies, The Imperial College of Business Studies Lahore
mehboobqarimehboob@gmail.com
Dr. Intikhab Ahmad
Assistant Professor, Imperial College of Business Studies, Lahore

ABSTRACT

This article examines the impact of atheism (Ilhād) on Pakistani society, focusing on its intellectual, social, moral, and psychological dimensions. In a country where religion has historically shaped collective identity, social norms, and ethical values, the emergence and spread of atheistic thought present significant challenges. The study analyzes the factors contributing to the rise of atheistic tendencies, including globalization, digital media influence, secular education trends, and socio-economic frustrations. It argues that the weakening of religious commitment affects family structures, moral responsibility, and social cohesionThe research further explores how atheistic narratives influence youth perceptions regarding faith, purpose, and morality, often leading to identity conflicts and value relativism. By examining contemporary social patterns, the article highlights correlations between declining spiritual engagement and increasing moral ambiguity, social fragmentation, and cultural disorientation.From an Islamic perspective, the study underscores the role of faith, accountability, and moral discipline in maintaining societal balance. It concludes that constructive dialogue, intellectual engagement, educational reform, and strengthening religious literacy are essential to address the growing influence of atheism. The article provides insights for scholars, educators, and policymakers seeking to understand and respond to this evolving ideological trend within Pakistani society. This study analyzes the factors that contribute to the rise of atheistic tendencies, including global trends (globalization), the influence of digital media, secular educational trends, and socio-economic frustrations. The paper emphasizes that a decline in religious commitment negatively affects family structure, moral responsibility, and social cohesion.

***Keyword**: Atheism ،Pakistani Society ،Socio-Cultural Impact ،Religious Identity ، Intellectual Trends*

تمہید

یہ مضمون پاکستانی معاشرے میں الحاد کے اثرات کا جائزہ لیتا ہے، خاص طور پر اس کے علمی، سماجی، اخلاقی اور نفسیاتی پہلوؤں پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے۔ ایک ایسے ملک میں جہاں مذہب نے تاریخی طور پر اجتماعی شناخت، سماجی روایات اور اخلاقی اقدار کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا ہے، الحادی فکر کا ابھرنا اور پھیلنا اہم چیلنجز پیش کرتا ہے۔ اس مطالعے میں ان عوامل کا تجزیہ کیا گیا ہے جو الحادی رجحانات کے فروغ میں معاون ہیں، جن میں عالمی رجحانات (Globalization)، ڈیجیٹل میڈیا کا اثر، سیکولر تعلیمی رجحانات، اور سماجی و اقتصادی مایوسیاں شامل ہیں۔ مقالہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ مذہبی عزم میں کمی خاندان کے ڈھانچے، اخلاقی ذمہ داری، اور سماجی ہم آہنگی پر منفی اثر ڈالتی ہے۔ تحقیق مزید یہ بھی بیان کرتی ہے کہ الحادی بیانیے نوجوانوں کے ایمان، مقصدِ حیات اور اخلاقیات کے حوالے سے خیالات پر کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں، جو اکثر شناختی کشمکش اور اقداری رشتہ داری کی غیر یقینی صورتحال کی طرف لے جاتے ہیں۔ معاصر سماجی نمونوں کا مطالعہ کرکے، مضمون اس بات پر روشنی ڈالتا ہے کہ روحانی مشغولیت میں کمی اور اخلاقی ابہام، سماجی انتشار، اور ثقافتی بے ترتیبی کے درمیان کس حد تک تعلق موجود ہے۔

اسلامی نقطہ نظر سے، یہ مطالعہ سماجی توازن برقرار رکھنے میں ایمان، ذمہ داری، اور اخلاقی نظم وضبط کے کردار کو اجاگر کرتا ہے۔ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ تعمیری مکالمہ، علمی مشغولیت، تعلیمی اصلاحات، اور مذہبی بصیرت کو مضبوط کرنا ضروری ہے تاکہ الحاد کے بڑھتے ہوئے اثرات کا مؤثر جواب دیا جا سکے۔ یہ مضمون علماء، اساتذہ، اور پالیسی سازوں کے لیے بصیرت فراہم کرتا ہے تاکہ وہ پاکستانی معاشرے میں اس ابھرتے ہوئے نظریاتی رجحان کو سمجھ سکیں اور اس سے نمٹنے کے لیے اقدامات کر سکیں

انسانی معاشرہ ہمیشہ کسی نہ کسی فکری اساس پر قائم رہتا ہے۔ جب وہ اساس کمزور پڑ جاتی ہے یا اس کی بنیاد سے انحراف کیا جاتا ہے تو معاشرتی بگاڑ، اخلاقی بحران، اور روحانی بے سمتی ناگزیر ہو جاتی ہے۔ الحاد جو خدا کے انکار یا اس کی فعّال موجودگی سے انحراف کا نام ہے محض ایک انفرادی نظریہ نہیں بلکہ ایک ایسا فکری رویہ ہے جو رفتہ رفتہ پورے معاشرے کی روحانی ساخت کو متزلزل کر دیتا ہے۔

الحاد کا سماجی مفہوم:

لفظ "الحاد" عربی مادّہ لحد سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں "ٹیڑھا ہونا، سیدھی راہ سے ہٹ جانا"۔ قرآنِ مجید میں ارشاد ہے

إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا[1]

"بے شک جو لوگ ہماری آیات میں کجی کرتے ہیں وہ ہم سے پوشیدہ نہیں۔"

یعنی جو اللہ کی آیات کے مفہوم کو بگاڑتے، یا ان کے ظاہری و باطنی معانی سے روگردانی کرتے ہیں، وہ دراصل "الحاد" کے مرتکب ہوتے ہیں۔ لغوی اور اصطلاحی دونوں معنی میں الحاد کا تعلق "سیدھی راہ سے انحراف" ہے خواہ وہ فکری ہو، اخلاقی ہو یا عملی۔

---

[1] فصلت 41 40

یہ آیت اس حقیقت کو نہایت جامع انداز میں واضح کرتی ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات میں الحاد اختیار کرتے ہیں، یعنی ان کے معانی کو بگاڑتے ہیں، انکار، تاویلِ باطل یا استہزا کے ذریعے حق سے انحراف کرتے ہیں، وہ اللہ کی نگاہ سے ہرگز پوشیدہ نہیں۔ یہاں یُلحدون کا لفظ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ الحاد صرف کھلا انکار ہی نہیں بلکہ آیاتِ الٰہی کے مفہوم کو سیاق و سباق سے ہٹا کر بدل دینا، یا اپنی خواہشات و نظریات کے تابع بنالینا بھی اس میں شامل ہے۔ قرآن مجید اس ذہنی اور فکری انحراف کو محض علمی غلطی نہیں بلکہ ایک اخلاقی اور روحانی جرم قرار دیتا ہے، کیونکہ ایسا رویہ انسان کو حق کی روشنی سے محروم کر کے شک، اضطراب اور فکری انتشار میں مبتلا کر دیتا ہے۔ آیت کا اختتام اس یقین دہانی پر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علمِ محیط سے نہ نیت چھپی ہے اور نہ عمل، اس لیے آیات میں الحاد اختیار کرنے والے انجامِ بد سے بچ نہیں سکتے، خواہ وہ دنیا میں کتنے ہی عقلی دلائل یا تہذیبی نعروں کے پیچھے خود کو کیوں نہ چھپا لیں اسلامی متکلمین نے الحاد کو ایک نظری و سماجی مرض کے طور پر دیکھا۔ امام رازیؒ لکھتے ہیں

الالحادُ فسادٌ في الاعتقادِ يُفسِدُ به نظامُ المجتمعِ، لأنَّ الدِّينَ أساسُ التعاوُنِ البشريِّ[2]

الحاد عقیدہ کا فساد ہے جو انسانی معاشرے کے نظم کو تباہ کرتا ہے، کیونکہ دین انسانی باہمی تعاون کی بنیاد ہے۔

یہی نکتہ بعد کے علماء نے بھی اجاگر کیا۔ الحاد محض ایک فکری اختلاف نہیں بلکہ ایسا اعتقادی بگاڑ ہے جو اخلاقی ذمہ داری اور جواب دہی کے تصور کو کمزور کر دیتا ہے۔ چونکہ دین ہی باہمی اعتماد، ایثار اور تعاون کی اخلاقی بنیاد فراہم کرتا ہے، اس لیے جب اس بنیاد کو رد کر دیا جائے تو معاشرتی نظم ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتا ہے اور فرد اپنی خواہش کو اجتماعی بھلائی پر ترجیح دینے لگتا ہے علامہ شبلی نعمانی کے نزدیک

تمدن کی بقا کے لیے عقیدۂ الوہیت ناگزیر ہے، کیونکہ جب انسان اپنے عمل کے ماورائے نتائج سے بے نیاز ہو جائے تو اخلاق کا ہر پیمانہ ٹوٹ جاتا ہے۔[3]

مذہب اور خصوصاً عقیدۂ الوہیت، انسانی اخلاق اور اجتماعی نظم کے لیے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ جب انسان خدا اور جزا و سزا کے عقیدے سے منقطع ہو جائے تو اس کے اعمال کے لیے کوئی اخلاقی بنیاد باقی نہیں رہتی، اور یہی تمدن کے زوال کا نقطہ آغاز ہے۔

علامہ شبلی نعمانیؒ نے الکلام میں لکھا کہ مذہب خصوصاً عقیدۂ الوہیت، اخلاقی زندگی کا لازمی تقاضا ہے۔ ان کے نزدیک اگر انسان خدا پر ایمان نہ رکھے، تو اس کے اخلاق محض خود ساختہ اصول رہ جاتے ہیں، جن میں پائیداری ممکن نہیں۔ اسی نظریے کو فلاسفہ جیسے کانٹ اور توماس ایکویناس نے بھی اپنے طریقے سے بیان کیا کہ اخلاق کی قوتِ الزام صرف اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب اس کے پیچھے ایک ماورائی ذات یعنی خدا کا تصور موجود ہو۔

---

[2] فخر الدین الرازی، التفسیر الکبیر مفاتیح الغیب بیروت دار احیاء التراث العربی، 1981ء۔ ج2 ،، ص112

[3] شبلی نعمانی، الکلام اعظم گڑھ، دار المصنفین شبلی اکیڈمی، 1910ء، ص، 56

تمدن اور عقیدۂ الوہیت کا باہمی تعلق:

تمدن دراصل انسانوں کے باہمی تعاون، اعتماد، انصاف، اور اخلاق پر قائم ہوتا ہے۔ اگر انسان یہ یقین رکھتا ہو کہ اس کے تمام اعمال خدا کے علم میں ہیں، اور ایک دن اسے اپنے ہر فعل کا حساب دینا ہو گا، تو یہ عقیدہ اس کے عمل کو اخلاقی نظم میں رکھتا ہے۔ یہی عقیدہ انسان کو خیر و شر کے معیارات کا پابند بناتا ہے۔

عقیدۂ الوہیت ایک اخلاقی ضابطے کی ضمانت ہے جو تمدن کی بقا کے لیے ناگزیر ہے۔ اگر انسان یہ سمجھنے لگے کہ اس کے اعمال کا کوئی اخروی نتیجہ نہیں، یعنی نہ کوئی خدا ہے، نہ جزا و سزا، تو پھر اس کے سامنے نیکی یا بدی کی کوئی حقیقی بنیاد باقی نہیں رہتی۔ ایسا شخص محض وقتی مفاد اور ذاتی خواہش کے تابع بن جاتا ہے۔ اس حالت میں انسان کے لیے اخلاق، عدل، اور امانت محض اختیاری یا وقتی اقدار بن جاتے ہیں، نہ کہ کوئی لازمی اصول یوں وہ عملِ خیر صرف اس وقت کرتا ہے جب اس سے کوئی فائدہ حاصل ہو، اور برائی سے صرف اس وقت بچتا ہے جب اس کے نتائج نقصان دہ ہوں۔ اگر کوئی ظلم کر کے فائدہ حاصل کر سکتا ہے اور پکڑا نہیں جائے گا، تو وہ ظلم بھی جائز محسوس ہونے لگتا ہے۔ اگر کوئی دھوکہ دے کر کامیاب ہو سکتا ہے تو وہ اخلاقی طور پر غلط نہیں سمجھا جاتا۔

ذاتی خواہش اور وقتی مفاد کا غلبہ:

ایمان کے زوال کے بعد انسان کا مرکزِ فیصلہ خود اس کی خواہش بن جاتی ہے۔ قرآن اس کیفیت کو یوں بیان کرتا ہے:

أفرأيت من اتخذ إلهه هواه [4]

تو کیا تم نے اسے دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا بنا لیا؟

یعنی وہ شخص جس کے لیے خواہشات ہی سب کچھ بن جاتی ہیں، ایسا انسان اپنی مرضی کو معیارِ خیر و شر بنا لیتا ہے۔ اس کے فیصلے اب اصولوں کے نہیں بلکہ مصلحتوں کے تابع ہوتے ہیں۔ یہ آیت انسانی فکری و اخلاقی انحراف کی نہایت گہری تصویر پیش کرتی ہے۔ قرآن یہاں اس شخص کی طرف توجہ دلاتا ہے جس نے کسی معبودِ حقیقی کے بجائے اپنی خواہشِ نفس کو ہی اپنا خدا بنا لیا ہو۔ اس طرزِ فکر میں حق و باطل، حلال و حرام اور خیر و شر کے تمام معیارات انسان کی ذاتی خواہشات کے تابع ہو جاتے ہیں، نتیجتاً زندگی کسی اعلیٰ اخلاقی اصول یا الٰہی ہدایت کے بجائے وقتی مفادات، لذت اور نفس کی پیروی میں گزرنے لگتی ہے۔ ایسا انسان بظاہر آزادی اور خود مختاری کا دعویٰ کرتا ہے، مگر درحقیقت وہ اپنی خواہشات کا غلام بن جاتا ہے، اور یہی غلامی اسے فکری اضطراب، اخلاقی انتشار اور روحانی خلا کی طرف لے جاتی ہے۔ قرآن اس آیت کے ذریعے متنبہ کرتا ہے کہ جب خواہشِ نفس کو الٰہ کا مقام دے دیا جائے تو انسان نہ صرف ہدایت سے محروم ہو جاتا ہے بلکہ اس کی پوری تہذیبی اور معاشرتی ساخت بھی بگاڑ کا شکار ہو جاتی ہے۔

---

[4] الفرقان، 25:43

اخلاق، عدل، اور امانت کا اختیاری تصور:

مغربی فکری روایت میں اخلاق، عدل اور امانت کو عموماً اختیاری اور انسانی معاہدے کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے۔ تھامس ہابس کے نزدیک عدل و اخلاق کی بنیاد فطری خیر نہیں بلکہ ریاستی قانون اور طاقت ہے، اس لیے جو قانون طے کر دے وہی عدل ہے۔ ڈیوڈ ہیوم اخلاق کو انسانی جذبات کا پیدا کردہ سمجھتا ہے، جس کے باعث اخلاقی اقدار آفاقی نہیں رہتیں بلکہ حالات کے ساتھ بدلتی ہیں۔ اسی طرح نطشے نے روایتی اخلاق کو طاقت اور مفاد کی پیداوار قرار دے کر خیر و شر کی مطلق حیثیت کو رد کیا۔ اس فکری تناظر میں اخلاق، عدل اور امانت مستقل اقدار کے بجائے ایک اختیاری سماجی رویہ بن جاتے ہیں۔[5]

جب کہ اسلامی فکر میں اخلاق، عدل اور امانت کو محض انسانی معاہدے یا حالات کا تابع نہیں سمجھا جاتا بلکہ انہیں وحیِ الٰہی پر مبنی آفاقی اور لازمی اقدار قرار دیا جاتا ہے۔ اسلام کے نزدیک خیر و شر کا معیار انسانی خواہش، ریاستی طاقت یا سماجی مفاد نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے، جو زمان و مکان کی قید سے بالاتر ہے۔ قرآنِ مجید عدل کو محض قانونی نظم نہیں بلکہ ایک دینی فریضہ سمجھتا ہے اور امانت کو ایمان کی علامت ٹھہراتا ہے ارشاد ربانی ہے

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا[6]

بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کو ادا کرو

اسلامی تصورِ اخلاق میں انسان اپنے اعمال کے لیے نہ صرف معاشرے بلکہ اللہ کے سامنے بھی جواب دہ ہے، اس لیے اخلاقی اقدار اختیاری رویے کے بجائے فرض اور ذمہ داری کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یوں اسلام اخلاق، عدل اور امانت کو انسانی تہذیب کی بقا اور روحانی نجات کی بنیاد قرار دیتا ہے، نہ کہ بدلتے ہوئے سماجی معاہدوں کا تابع۔

ایمان سے محروم انسان کے نزدیک اخلاق کوئی الٰہی فریضہ نہیں بلکہ محض سماجی معاہدہ بن جاتا ہے۔ اس لیے وہ عدل اور امانت کو تبھی اپناتا ہے جب یہ اس کے مفاد میں ہو۔ جب مفاد ٹکرا جائے تو وہ ان اصولوں کو چھوڑ دیتا ہے، کیونکہ ان کی پابندی پر اب کوئی ماورائی جواب دہی نہیں رہی۔ یہی وہ مقام ہے جہاں انسانی معاشرہ اخلاقی زوال میں داخل ہوتا ہے ہر شخص اپنی خواہش کو جواز سمجھنے لگتا ہے، اور اجتماعی اعتماد ٹوٹنے لگتا ہے۔

اخلاقی نسبیت اور الحاد کا تعلق:

[5] ہابس، تھامس، لیوایتھن، ترجمہ، موجودہ اردو / انگریزی اشاعت، لاہور، 1985، ص 120،

[6] النساء، 4:58

یہ کیفیت دراصل الحادی اخلاقیات کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ جب خدا کا تصور ختم ہو تا ہے، تو اخلاق کسی مطلق معیار سے جڑنے کے بجائے نسبی بن جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے جو کل برائی تھی، آج جائز ہو سکتی ہے اگر حالات بدل جائیں" یہی تصور انسان کو بتدریج اخلاقی انارکی کی طرف لے جاتا ہے مثلاً تھامس ہابس اخلاقی نسبیت کے بارے کہتے ہیں

"انسان کی حالت فطرت میں، زندگی تنہا، کمزور اور مختصر ہوتی ہے۔[7]"

جب کہ اسلامی فکر میں نیکی اور بدی کے معیار کا مرکز اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔ قرآن مجید فرماتا ہے

إن أريد إلا الإصلاح ما استطعت وما توفيقي إلا بالله[8]

میں تو اصلاح ہی چاہتا ہوں جتنا مجھ سے ہو سکے، اور میری توفیق صرف اللہ کی مدد سے ہے

یعنی انسان کا عمل تب ہی بامقصد اور اخلاقی ہے جب وہ خدا کے حضور جواب دہی کے شعور کے ساتھ انجام دیا جائے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے اخلاق، عدل اور امانت کو ایک آفاقی اور لازمی معیار سمجھا جاتا ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق، یہ اقدار محض سماجی معاہدوں یا انسانی خواہشات پر مبنی نہیں، بلکہ اللہ کی وحی اور اس کی ہدایات پر قائم ہیں۔ قرآن و سنت میں اخلاقی اقدار کو انسان کی روحانی اور دنیاوی فلاح کے لیے بنیادی قرار دیا گیا ہے۔ اس تصور کے تحت، امانت کا ادا کرنا، عدل و انصاف کا قیام، اور اخلاقی سچائی کو اپنانا نہ صرف فرد کی ذاتی ترقی کے لیے ضروری ہے، بلکہ ایک مضبوط اور پائیدار معاشرتی نظام کے قیام کے لیے بھی ناگزیر ہے۔

جدید الحاد اور معاشرتی تبدیلی کا آغاز:

جدید الحاد (Modern Atheism) محض مذہب دشمن تحریک نہیں بلکہ ایک تہذیبی رویہ ہے جس نے انسان کو کائنات کا محور قرار دے کر خدا کی جگہ خود انسان کو بٹھا دیا۔ رینے ڈیکارٹ، فریڈرک نطشے، کارل مارکس، اور چارلس ڈارون جیسے مفکرین نے انسان کو "خود مکتفی ہستی" کے طور پر پیش کیا۔ نطشے کا مشہور قول:

[9] “God is dead.”

اس بات کا اعلان تھا کہ مغربی معاشرہ اب خدا کے بغیر جینا سیکھ چکا ہے۔

یہ فکری اعلان دراصل اس سماجی انقلاب کا نقطۂ آغاز تھا جس نے خاندان، اخلاق، اور ریاست تینوں کو نئے سانچوں میں ڈھال دیا۔ مغربی معاشرہ رفتہ رفتہ "سیکولر ہیومنزم "کی گرفت میں آ گیا جہاں خیر و شر کے فیصلے وحی کی بجائے انسانی خواہشات سے طے ہونے لگے۔ اردو مفکر علامہ اقبالؒ نے اس ذہنی انقلاب کو بڑے دردناک لہجے میں بیان کیا:

---

[7] ہابس، تھامس، لیوایتھن ، ، ترجمہ موجودہ اردو / انگریزی اشاعت، لندن: پینگوئن کلاسکس، 1985ص 120

[8] ھود 11، 88

[9] فریڈرک نطشے، دی گے سائنس ترجمہ والٹر کافمین، نیویارک: وِنٹیج بکس، 1974ص، 181

"یورپ نے خدا کو بھلا کر انسان کو خدا بنا لیا، مگر انسان ابھی تک انسان نہیں بن سکا۔[10]"

دیکھنے میں یہ عبارت ہے اور حقیقت میں یورپی فکری تاریخ کی ایک کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ جب یورپ نے مذہبی اقدار اور الٰہی وجود کو پس پشت ڈال کر انسانی عقل اور خود مختاری کو مرکزِ نگاہ بنایا، تو اس کے نتیجے میں ایک ایسے دور کا آغاز ہوا جہاں انسانیت نے اپنی معنویت تلاش کرنے کی کوشش کی۔ تاہم، جب انسان نے اپنے آپ کو خدا کا مقام دینے کی کوشش کی، تو وہ اپنی اصل انسانیت سے دور ہوتا چلا گیا۔ جس کے نتیجے میں اخلاقی قدریں، معنوی جہات اور فطری عدل و انصاف کی کمی نے انسانی سماج کو ایک ایسے مرحلے پر لا کھڑا کیا جہاں ترقی کے باوجود انسان کی اصل فطرت اور اخلاقی بنیادیں کمزور پڑ گئیں۔ یہ صورتحال ہمیں یاد دلاتی ہے کہ حقیقی انسانیت اور اس کی اخلاقی بلندی ہمیشہ الٰہی رہنمائی میں ہی پنہاں ہے۔

الحادی رجحانات کا معاشرتی ظہور:

الحاد کے اثرات سب سے پہلے معاشرتی اداروں میں ظاہر ہوتے ہیں، مثلاً خاندان، تعلیم، قانون، اور ثقافت۔ مذہب سے بیزاری کے نتیجے میں ان اداروں کی اخلاقی بنیادیں کمزور پڑنے لگتی ہیں۔ ایمل درکائم نے اپنی مشہور تصنیف Suicide میں الحاد کے سماجی اثرات پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ

"جب مذہب ختم ہوتا ہے تو انسان تنہائی اور بیزاری کا شکار ہوتا ہے، اور یہی کیفیت خودکشی کے رجحان کو جنم دیتی ہے۔[11]"

یعنی الحاد نہ صرف روحانی خلا پیدا کرتا ہے بلکہ معاشرتی روابط کو بھی تحلیل کر دیتا ہے۔ قرآنِ مجید نے اسی کیفیت کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا[12]

اور جو میرے ذکر سے منہ موڑتا ہے تو یقیناً اس کے لیے تنگ زندگی ہے۔

یہ تنگیِ صرف مادی نہیں بلکہ روحانی و سماجی اضطراب بھی ہے۔ انسانی زندگی کی بنیادی حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اللہ کی یاد اور اس کے ذکر سے منہ موڑنا انسان کی فلاح و سکون کے لیے نقصان دہ ہے۔ جو شخص اللہ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے، اس کی زندگی میں اضطراب، تنگی اور روحانی خلا پیدا ہوتا ہے، چاہے وہ دنیاوی آسائشوں میں ہی کیوں نہ زندگی گزار رہا ہو۔ اس کے برعکس، اللہ کے ذکر کو اپنی زندگی کا حصہ بنانے والا انسان نہ صرف روحانی سکون اور اطمینان حاصل کرتا ہے بلکہ اس کی عملی زندگی بھی متوازن، اخلاقی اور فلاح بخش بنتی

---

10 علامہ محمد اقبال تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ، ص34

11 درکائم، ترجمہ از محمد آصف، سوشیالوجی آف ریلیجن، ص122

12 سورۃ طٰہٰ:124

ہے۔اس آیت کا پیغام یہ ہے کہ حقیقی سکون اور کامیابی صرف اللہ کی یاد، اس کی رضا اور اس کے احکامات پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے، اور اس کے بغیر انسان اپنی زندگی میں بے چینی اور ناکامی کے تجربات کرتا رہتا ہے

موجودہ دور میں الحاد کا دائرۂ اثر:

جدید میڈیا، سائنسی مادیت، اور تعلیمی نظام نے الحاد کو ایک معاشرتی طرزِ فکر کے طور پر عام کر دیا ہے۔ اب یہ محض فلسفیانہ مناقشہ نہیں بلکہ ایک ثقافتی فیشن بن چکا ہے۔ سوشل میڈیا، فلموں، اور علمی مباحث میں "مذہب کی غیر ضرورت" کو عقلی آزادی کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ پاکستان جیسے مسلم معاشروں میں بھی مغربی اثرات کے نتیجے میں "عملی الحاد" یعنی زندگی میں مذہب سے لاتعلقی بڑھ رہی ہے۔ یہ رجحان خاندانی تعلقات، اخلاقی رویوں، اور سماجی ذمہ داریوں میں واضح کمزوری کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہے۔ یوں الحاد کا پھیلاؤ ایک فکری انحراف سے بڑھ کر ایک معاشرتی مظہر بن چکا ہے۔ اس نے مذہب کی اجتماعی قوت کو کمزور، اخلاقی نظام کو نسبتی، اور روحانی سکون کو معدوم کر دیا ہے۔

الحاد اور خاندانی نظام:

خاندان (Family) انسانی معاشرت کا بنیادی ادارہ ہے۔ اس کے بغیر نہ نسل انسانی کا تسلسل ممکن ہے، نہ انسان کے سماجی، اخلاقی اور روحانی تقاضے پورے ہو سکتے ہیں۔ ہر تہذیب میں خاندان کا مقام مرکزی رہا ہے، مگر الحاد نے سب سے پہلے اسی ادارے کو اپنی فکری یلغار کا نشانہ بنایا۔ مغربی مفکرین کے نقطۂ نظر کے مطابق

> "خاندان کو انسانی سماج اور اخلاقی اقدار کی بنیادی اکائی کے بجائے معاشی و سماجی ڈھانچے کا تابع سمجھا گیا، اور جدید الحاد نے اسے فرد کی آزادی اور عقل کی خود مختاری میں رکاوٹ کے طور پر چیلنج کیا۔[13]"

الحاد اور خاندانی تصور:

اسلامی تصور میں خاندان محض حیاتیاتی رشتہ نہیں بلکہ ایک عبادت اور ذمہ داری ہے قرآنِ کریم نے نکاح کو "میثاقاً غلیظاً" قرار دیا یعنی ایک مضبوط اور مقدس عہد۔ قرآن مجید فرماتا ہے

---

13 مارکس، کارل، کمیونسٹ مینیفیسٹو، ادارۂ مطبوعات، 2005ص34۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً[14]

"اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اُس نے تمہارے لیے تم ہی میں سے جوڑے بنائے تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو، اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت رکھ دی۔"

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ ازدواجی رشتہ روحانی سکون، محبت، اور معاشرتی استحکام کا ذریعہ ہے، مگر الحاد نے اس تعلق کو محض جسمانی اور وقتی خواہش تک محدود کر دیا۔

انسان کی زندگی میں ازدواجی تعلقات کی اہمیت اور ان کی روحانی و اخلاقی بنیاد کو واضح کرتی ہے۔ یہ آیت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ شادی محض سماجی یا جسمانی ضرورت نہیں بلکہ اللہ کی جانب سے ایک آیت ہے، جس کے ذریعے انسان اپنی زندگی میں سکون، محبت اور رحمت حاصل کرتا ہے۔ مرد اور عورت کے درمیان یہ محبت اور رحمت نہ صرف جذباتی وابستگی پیدا کرتی ہے بلکہ ایک مضبوط اخلاقی اور سماجی نظام کی بھی بنیاد رکھتی ہے۔ قرآن یہاں یہ سبق دیتا ہے کہ ازدواجی تعلقات میں اللہ کی ہدایت کے مطابق تعاون، احترام اور محبت کے اصول اپنانا انسان کی فلاح و سکون کے لیے ناگزیر ہیں، اور یہی تعلقات فرد کی روحانی تربیت اور معاشرتی استحکام کے لیے ضروری ہیں۔ جب کہ مغربی معاشروں میں "Secular Humanism" اور "Moral Relativism" کے زیرِ اثر نکاح کو ایک سماجی معاہدے کی حیثیت دی گئی، جو خواہش یا مفاد ختم ہوتے ہی ٹوٹ سکتا ہے۔[15] یوں نکاح کی تقدیس ختم ہوئی، اور خاندان ایک عارضی و اختیاری رشتہ بن گیا۔

جنسی آزادی:

الحاد کے نتیجے میں مذہبی اخلاقیات کے بجائے انفرادی آزادی کو مطلق قدر بنا دیا گیا۔ چنانچہ نکاح سے باہر جنسی تعلقات، ہم جنس پرستی، اور بغیر نکاح کے اولاد پیدا کرنے جیسے رویے عام ہو گئے۔ یہی وہ رویے ہیں جنہیں قرآنِ مجید نے "فاحشہ" اور "ظلم علی النفس" قرار دیا ہے ارشاد خداوندی ہے

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا[16]

"زنا کے قریب نہ جاؤ، بے شک یہ بے حیائی ہے اور بری راہ ہے۔"

انسانی زندگی میں اخلاقی حدود کی حفاظت اور فواحش سے بچاؤ کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے۔ قرآن مجید یہاں واضح کرتا ہے کہ زنا صرف ایک فردی گناہ نہیں بلکہ ایک ایسا عمل ہے جو معاشرتی بگاڑ، دل کی تاریکی اور اخلاقی انتشار کی جڑ بنتا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نہ صرف زنا کے عمل سے منع کیا ہے بلکہ اس کے قریب جانے سے بھی روکا ہے، کیونکہ اس کی ابتدا ہی انسان کو فواحش کی طرف لے جاتی ہے

---

[14] الروم 30، 21

[15] جیمز فریزر، The Golden Bough, ترجمہ از غلام محی الدین، نیشنل بک فاؤنڈیشن، 2005ء ص 244،

[16] سورۃ الاسراء 17، 32

اور اس کے نتائج دین و ایمان پر منفی اثر ڈال سکتے ہیں۔ یوں یہ تعلیم انسان کو اس عمل کی تباہ کن روحانی اور سماجی پیچیدگیوں سے آگاہ کرتی ہے اور ایک مضبوط اخلاقی اور روحانی فریم ورک قائم کرنے کی طرف رہنمائی کرتی ہے، جو فرد اور معاشرہ دونوں کی بقا اور فلاح کے لیے ضروری ہے۔

لیکن جدید مغرب میں، جہاں مذہب کا اثر ختم ہوا، وہاں زنا کو ذاتی اختیار اور انسانی حق کے طور پر تسلیم کیا گیا۔ اسی نظریے نے خاندانی ادارے کو شدید کمزور کر دیا۔ فرائڈ (Sigmund Freud) کے نفسیاتی نظریات نے بھی اس بگاڑ میں کردار ادا کیا۔ اُس نے کہا کہ جنسی جبلّت (Sex Drive) کو دبانا بیماری ہے، اس لیے اخلاقی یا مذہبی قدغن غیر ضروری ہیں۔ یہی سوچ "جنسی آزادی" کی تحریکوں کی بنیاد بنی، جنہوں نے شادی کے تصور کو غیر ضروری قرار دے دیا۔

اولاد کی تربیت پر اثرات:

خاندانی نظام کی کمزوری کا سب سے بڑا اثر اولاد کی تربیت پر پڑتا ہے۔ جب باپ اور ماں کے درمیان تعلق کمزور ہو جائے، یا خاندان بکھر جائے، تو بچوں میں اخلاقی، نفسیاتی اور جذباتی عدم توازن پیدا ہوتا ہے۔ امریکی ماہرِ عمرانیات چارلس مری لکھتا ہے:

خاندانی ادارے کا زوال ایک ایسا سماجی زلزلہ ہے جس کے اثرات کئی نسلوں پر پڑتے ہیں۔[17]

خاندانی ادارے کا زوال سماجی ڈھانچے میں بنیادی کمزوری پیدا کرتا ہے، کیونکہ خاندان فرد کی اخلاقی تربیت، سماجی اقدار اور رویّوں کی پہلی درس گاہ ہوتا ہے۔ جب یہ ادارہ کمزور یا بکھر جائے، تو بچوں میں اخلاقی اور نفسیاتی خلل پیدا ہوتا ہے، سماجی تعلقات متاثر ہوتے ہیں، اور معاشرتی استحکام خطرے میں آجاتا ہے۔ یوں خاندان کی تباہی نہ صرف موجودہ بلکہ آئندہ نسلوں کی تربیت اور معاشرتی فلاح پر بھی منفی اثر ڈالتی ہے۔ اسلامی معاشرت میں والدین کو اولاد کے لیے رہنمائی، محبت اور دینی تربیت کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ قرآن میں فرمایا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا[18]

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔

مگر الحادی معاشروں میں جہاں مذہب، آخرت اور گناہ کا تصور مٹ چکا ہے، وہاں والدین کے لیے تربیت کی کوئی اخلاقی اساس باقی نہیں رہی۔ نئی نسل مادی کامیابی کو واحد مقصد سمجھتی ہے، اور روحانی قدریں دم توڑ چکی ہیں۔

مؤمن کو نہ صرف اپنی ذاتی حفاظت بلکہ اپنے اہل و اقارب کی فلاح و بقا کے لیے بھی ذمہ دار قرار دیتا ہے۔ قرآن یہاں واضح کرتا ہے کہ ایمان کی حفاظت اور اعمال صالح کے ذریعے انسان اپنے اور اپنے گھر والوں کو عذاب سے بچانے کے لیے فعال کردار ادا کرے۔ یہ آیت والدین، شوہر، بیوی اور اولاد سمیت تمام اہل خانہ کی روحانی رہنمائی اور نیک عملی زندگی پر زور دیتی ہے۔ مؤمن کو چاہیے کہ وہ اپنی ذاتی

---

[17] برگر، پیٹر ایل۔ مذہب اور جدید دنیا۔ نیویارک: اینکر بکس، 1969ء ص 539 ,

[18] سورۃ التحریم، 6,66

عبادات، اخلاقی اصول اور دینی ذمہ داریوں کو اپنائے اور اہل خانہ کو بھی تعلیم و تربیت کے ذریعے دین کی روشنی میں رہنمائی فراہم کرے۔ یوں یہ تعلیم نہ صرف فرد کی نجات بلکہ خاندان کے اجتماعی فلاح اور سماجی استحکام کے لیے ایک جامع فریم ورک فراہم کرتی ہے۔

مغربی معاشرت میں خاندانی بحران کے نتائج:

امریکہ اور یورپ کے اعداد و شمار اس بحران کی شدت کو ظاہر کرتے ہیں۔ 2000ء سے 2020ء کے درمیان یورپ میں غیر شادی شدہ جوڑوں سے پیدا ہونے والے بچوں کی شرح 42٪ تک پہنچ گئی۔ اسی طرح "Single-Parent Families" کا تناسب 30٪ سے تجاوز کر گیا۔ یہ وہ معاشرے ہیں جہاں الحاد یا مذہب بیزاری غالب ہے۔ ڈاکٹر کیرن آرمسٹرانگ لکھتی ہیں:

جب مذہب کو معاشرت سے نکال دیا گیا تو خاندان اپنی معنویت کھو بیٹھا، کیونکہ اسے قائم رکھنے والا اخلاقی ڈھانچہ ٹوٹ گیا تھا۔[19]

معلوم ہوا کہ جب معاشرتی زندگی سے مذہبی اقدار کو الگ کر دیا گیا تو خاندان، جو دراصل اخلاقی ذمہ داری، وفاداری، ایثار اور تقدس پر قائم تھا، بتدریج کمزور ہو گیا۔ مذہب خاندان کو محض قانونی معاہدہ نہیں بلکہ ایک اخلاقی و روحانی ادارہ بناتا ہے؛ جب یہ بنیاد ختم ہوئی تو رشتے مفاد، خواہش اور وقتی ضرورت تک محدود ہو گئے، نتیجتاً خاندانی نظام اپنی اصل معنویت اور استحکام کھو بیٹھا۔

اسلامی تصورِ خاندان سے تقابل:

اسلامی معاشرت میں خاندان نہ صرف سماجی بلکہ عبادی ادارہ ہے۔ نکاح عبادت، اولاد نعمت، اور رشتہ داری رحمت خداوندی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"النكاح من سنتي فمن رغب عن سنتي فليس مني"[20]

نکاح میری سنت ہے، جو میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نکاح محض حیاتیاتی ضرورت نہیں بلکہ ایمان کا تقاضا ہے۔ اسلامی معاشرت اسی بنیاد پر قائم ہے کہ مرد و عورت کا تعلق محبت، ذمہ داری، اور روحانی وابستگی پر قائم ہو نہ کہ خواہش اور خود غرضی پر۔ یوں الحاد نے خاندان کی روح یعنی تقدیس، وفاداری، اور مقصدیت کو مجروح کر دیا۔ مغربی معاشروں میں ازدواجی تعلقات رسمی، وقتی اور مادی بن گئے۔

اسلامی معاشرت کے لیے یہ ایک تنبیہ ہے کہ اگر دینی اقدار کمزور پڑ گئیں تو یہی زوال مسلم معاشروں میں بھی داخل ہو سکتا ہے۔ اخلاق وہ بنیاد ہے جس پر انسانی معاشرہ قائم رہتا ہے۔ اگر اخلاقی شعور کمزور ہو جائے تو قانون، تعلیم، اور تمدن سب محض ظاہری ڈھانچے بن جاتے ہیں۔ مذہب انسان کو صرف عبادت نہیں سکھاتا بلکہ خیر و شر کے درمیان تمیز عطا کرتا ہے۔ جب کوئی معاشرہ الحاد کا شکار ہوتا ہے تو

---

[19] کیرن آرمسٹرانگ، The Case for God, اردو ترجمہ، ص 212

[20] البخاری، محمد بن اسماعیل۔ الجامع الصحیح۔ کتاب النکاح، حدیث: 5063۔ بیروت: دار ابنِ کثیر، 1987۔ 2/328

سب سے پہلا اثر اخلاقی نظام پر پڑتا ہے، کیونکہ الحاد میں اخلاق کا کوئی مطلق معیار باقی نہیں رہتا۔ سیم ہیرس جو جدید الحادی فکر کے نمایاں مصنفین میں سے ہے، اپنی کتاب The Moral Landscape میں لکھتا ہے

اخلاق کو مذہب سے الگ کرنا ضروری ہے، کیونکہ خیر و شر کا فیصلہ انسان کے تجربے سے ہونا چاہیے، نہ کہ الہامی احکام سے۔[21]

یہی وہ نظریہ ہے جسے "مطلق اخلاق" کے بجائے "نسبتی اخلاق" کہا جاتا ہے یعنی کوئی عمل بذاتِ خود اچھا یا برا نہیں، اس کا فیصلہ حالات اور ذاتی مفاد سے ہو گا۔

الحاد اور اخلاقی نسبیت :

مذہب کے بغیر اخلاق کا تصور محض اجتماعی معاہدہ رہ جاتا ہے، یہ فکر جدید معاشروں میں عام ہوئی، یوں خیر و شر کی تمیز ذاتی پسند و ناپسند تک محدود ہو گئی، مثلاً جھوٹ، بد دیانتی، یا عریانی جیسے افعال کو اگر "انفرادی آزادی" کے تحت کیا جائے تو وہ برا نہیں سمجھا جاتا۔ الحاد اور اخلاقی نسبیت کے مابین گہرا تعلق بیان کیا جاتا ہے، کیونکہ جب کائنات میں کسی مطلق الٰہی ہدایت یا ماورائے انسان اخلاقی معیار کو تسلیم نہ کیا جائے تو اخلاق کا سرچشمہ انسانی عقل، سماجی معاہدے یا ثقافتی رجحانات بن جاتے ہیں۔ اس صورت میں خیر و شر کی کوئی آفاقی اور مستقل تعریف باقی نہیں رہتی بلکہ اقدار زمان و مکان کے تابع قرار پاتی ہیں۔ البرٹ کیمیو کے مطابق

اگر کائنات بے معنی ہو تو اخلاقی قدر بھی انسانی ساختہ مفروضہ رہ جاتی ہے۔[22]

اسی طرح فریڈرک نطشے نے "خدا کی موت" کے اعلان کے بعد روایتی اخلاقیات کو انسانی ارادۂ قوت کا نتیجہ قرار دیا۔[23]

اسلامی مفکرین کے نزدیک یہ طرزِ فکر اخلاقی انتشار کا سبب بنتا ہے، جب وحی کو معیارِ حق نہ مانا جائے تو اخلاقی اقدار میں ثبات باقی نہیں رہتا۔ سید ابو الاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں کہ:

خدا سے بے نیازی بالآخر اخلاقی قانون کو انسانی خواہشات کے تابع بنا دیتی ہے۔[24]

لہٰذا الحاد اور اخلاقی نسبیت کا باہمی ربط اس بنیاد پر قائم ہے کہ دونوں میں مطلق اخلاقی اقتدار (Absolute Moral Authority) کا انکار پایا جاتا ہے۔

اسلامی تصورِ اخلاق:

اسلام میں اخلاق کی بنیاد ایمان باللہ اور یومِ آخرت کے یقین پر قائم ہے۔ قرآنِ مجید میں ارشاد ہے

---

[21] سیم ہیرس، Moral Landscape، اردو ترجمہ، ص 77

[22] البرٹ کیمیو، سسفس کا افسانہ، ترجمہ لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز ص 53،60

[23] فریڈرک نطشے، علمِ مسرت، دی گے سائنس، ترجمہ لاہور: مکتبہ جدید، ص 182، 181

[24] سید ابو الاعلیٰ مودودی، تنقیحات، لاہور: اسلامی نشریات، ص 32، 30

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَى وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ[25]

بے شک اللہ عدل، احسان اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے، اور بے حیائی، برائی اور ظلم سے روکتا ہے

اسلامی اخلاقی نظام کا جامع منشور ہے۔ اللہ تعالیٰ عدل (انصاف)، احسان (نیکی اور فضل) اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے، جو معاشرتی توازن، ہمدردی اور ذمہ داری کی بنیادیں ہیں۔ ساتھ ہی فحشاء (کھلی بے حیائی)، منکر (ہر ناپسندیدہ و خلافِ شریعت کام) اور بغاوت و زیادتی (بغی) سے روکتا ہے، جو فرد اور معاشرے دونوں کو فساد کی طرف لے جاتے ہیں۔ اس طرح یہ آیت خیر و شر کے بنیادی اصول واضح کر کے ایک متوازن، پاکیزہ اور منصفانہ معاشرے کی رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ یہ آیت اس اصول کو واضح کرتی ہے کہ اخلاق کی بنیاد الٰہی حکم ہے، نہ کہ انسانی خواہش۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الأَخْلَاقِ[26]

میں تو بھیجا ہی اس لیے گیا ہوں کہ اخلاق کے اعلیٰ معیاروں کو مکمل کروں

اس ارشادِ نبوی ﷺ کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی بعثت کا ایک بنیادی مقصد انسانی اخلاق کو اس کی کامل ترین صورت تک پہنچانا ہے۔ اسلام نے اخلاق کو محض نصیحت نہیں بلکہ ایمان، عبادات اور معاشرت کے ساتھ جوڑ کر ایک عملی نظام بنایا، تاکہ فرد کا کردار سنورے اور معاشرہ عدل، رحم اور ذمہ داری پر قائم ہو۔ یعنی اخلاق محض سماجی خوبی نہیں بلکہ نبوت کا مقصد ہے۔

الحادی معاشروں میں اخلاقی بحران:

جب اخلاق کو وحی سے منقطع کر دیا گیا تو وہ طاقتور اور کمزور کے درمیان تفریق مٹانے کے بجائے طاقت کی خدمت میں آ گیا۔ کارل مارکس کے نزدیک اخلاقی اصول بھی "معاشی طبقات" کے مفاد کے تابع ہیں یہی نظریہ بعد میں سوشلسٹ اخلاقیات کی بنیاد بنا، جہاں "حق" اور "باطل" کا تعین سیاسی نظریے سے ہوتا ہے۔ جدید مغربی معاشرہ اخلاقی لحاظ سے انتشار کا شکار ہے، کیونکہ اس نے وہ ماورائی اور مشترک بنیاد کھو دی ہے جس پر اخلاقی اقدار قائم رہتی ہیں نتیجتاً اخلاق محض ذاتی پسند اور سماجی معاہدہ بن کر رہ گیا ہے۔[27]"

اسی بنا پر مغربی معاشروں میں جھوٹ، سود، جنسی بے راہ روی، اور خود غرضی کو "حقیقتِ زندگی" کے طور پر قبول کر لیا گیا۔ درکائم (Durkheim) نے اس کیفیت کو Anomie (قانونی و اخلاقی بے ضابطگی) کہا یعنی ایسا معاشرہ جہاں کسی مشترکہ اخلاقی قدر پر اتفاق باقی نہ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ جدید سماج میں انسان اپنے ضمیر سے نہیں بلکہ "قانون سے بچنے" کی حد تک اخلاقی ہے۔

---

[25] النحل 16، 90

[26] امام مالک، موطا، کتاب حسن الخلق، حدیث: 1614 بیروت، دار الکتب العلمیۃ، 1997۔ 1/381

[27] میک اِنٹائر، السیڈر، بعد از فضیلت After Virtue، لندن، ڈک ورتھ، 1981 ص 2،5

اخلاقی بحران کے سماجی اثرات:

الحاد کے نتیجے میں اخلاقی زوال نے انسانی معاشروں کو کئی پہلوؤں سے متاثر کیا رشوت، بد دیانتی، اور مفاد پرستی ،جب خیر و شر کی مطلق بنیاد ختم ہو جائے تو ذاتی نفع سب کچھ بن جاتا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ[28]

پھر ان کے بعد ایسے لوگ آئے جنہوں نے نماز ضائع کی اور خواہشات کی پیروی کی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اُن بعد میں آنے والی نسلوں کی حالت بیان فرماتا ہے جنہوں نے اپنے نیک بزرگوں کی راہ چھوڑ دی۔ انہوں نے نماز کو ضائع کیا یعنی اسے چھوڑ دیا، وقت پر ادا نہ کیا، یا اس کی روح و خشوع کو کھو دیا۔ اور ساتھ ہی خواہشات کے پیچھے لگ گئے یعنی دنیاوی لذتوں، نفسانی میلانات، اور گمراہ کن خواہشات کو زندگی کا مرکز بنا لیا۔

قرآن واضح کرتا ہے کہ جب انسان اللہ سے تعلق کمزور کر دیتا ہے، خصوصاً نماز جیسی بنیادی عبادت کو ترک کر دیتا ہے، تو اس کے اندر خواہشات کا غلبہ بڑھ جاتا ہے، اور پھر وہ اخلاقی و روحانی انحطاط کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ عبادت کی کمزوری انسان کو لازماً شہوات کے پیچھے لگا دیتی ہے، اور یہی اس کے تباہ کن زوال کی اصل جڑ ہے۔

خاندانی و جنسی بے راہ روی:

جیسا کہ سابقہ حصے میں واضح ہوا، جنسی آزادی کے نتیجے میں ازدواجی نظام تباہ ہو گیا، جو دراصل اخلاقی زوال ہی کی ایک شکل ہے۔

اسکرٹن، راجر خاندانی و جنسی بے راہ روی لکھتے ہیں

"جنسی آزادی کے نام پر جب جنسی تعلق کو ذمہ داری، عہد اور ازدواجی بندھن سے الگ کر دیا گیا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ شادی کا ادارہ کمزور پڑ گیا اور اخلاقی نظم بکھرنے لگا۔[29]

یہ قول اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ جنسی آزادی جب محض ذاتی خواہش کی تسکین تک محدود ہو جائے اور اسے ذمہ داری، عہد اور ازدواجی بندھن سے کاٹ دیا جائے تو اس کے اثرات صرف فرد تک محدود نہیں رہتے بلکہ پورے معاشرتی ڈھانچے کو متاثر کرتے ہیں۔ شادی کا ادارہ اس لیے مضبوط ہوتا ہے کہ وہ جنسی تعلق کو اخلاقی نظم، باہمی ذمہ داری اور آئندہ نسل کی تربیت سے جوڑتا ہے۔ جب یہ ربط ٹوٹ جاتا ہے تو تعلقات عارضی، غیر مستحکم اور خود غرضانہ ہو جاتے ہیں، جس کے نتیجے میں وفاداری، امانت اور ایثار جیسی اخلاقی قدریں کمزور

---

[28] سورۃ مریم 19، 59

[29] اسکرٹن، راجر، سیکس، خواہش اور تہذیب، لندن کنٹینیوم، 1986، ص 3

پڑنے لگتی ہیں۔ اس طرح جنسی آزادی کا بے لگام تصور بالآخر خاندان کے زوال، بچوں کی غیر محفوظ تربیت اور سماجی انتشار کا سبب بنتا ہے، جو دراصل اخلاقی نظم کے بکھرنے ہی کی ایک نمایاں صورت ہے۔ ایمل درکائم کے مطابق "اخلاقی ضابطہ جب ٹوٹتا ہے تو سماجی ہم آہنگی ختم ہو جاتی ہے، اور افراد تنہائی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اسلامی نقطۂ نظر سے تجزیہ:

اسلام کے نزدیک اخلاق کی بقا کے لیے ایمان، عبادت، اور معاشرتی ذمہ داری تینوں لازم ہیں۔ جب یہ تینوں اجزاء الگ ہو جائیں تو اخلاق بھی کھوکھلا ہو جاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اسی خطرے کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا:

"جدید انسان کے اخلاق نے روح کھو دی ہے، کیونکہ وہ ضمیر کی بجائے نفع پر ایمان رکھتا ہے۔"[30]

اسلام میں ہر اخلاقی قدر (صدق، امانت، عفت، عدل، رحم) کا سرچشمہ توحید ہے۔ بغیر توحید کے اخلاق محض رسم یا مصلحت بن جاتا ہے۔ الحاد نے انسانی اخلاقیات کو بنیاد سے ہلا دیا ہے۔ اس نے خیر و شر کے تصور کو ذاتی رائے میں بدل دیا، نتیجے میں معاشرے میں اعتماد، دیانت، وفاداری اور رحم جیسے اقدار کمزور ہو گئے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے اخلاق کا زوال دراصل ایمان کی کمزوری ہے، اور ایمان کا زوال الحاد کی سب سے بڑی علامت۔ قرآن مجید نے فرمایا:

إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَفِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ[31]

شیطان چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک شراب اور جوّا شیطان کے وہ ہتھیار ہیں جن کے ذریعے وہ انسانوں کے درمیان دشمنی اور بغض پیدا کرتا ہے، دلوں کو اللہ کی یاد اور نماز سے غافل کر دیتا ہے۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان اخلاقی، روحانی اور سماجی بگاڑ کا شکار ہو جائے اور باہمی تعلقات نفرت اور فساد میں بدل جائیں۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ[32]

خشکی اور تری میں فساد ظاہر ہو گیا، ان کاموں کے سبب سے جو لوگوں کے ہاتھوں نے کیے۔

الحاد اسی فساد کا فکری سرچشمہ ہے جس کے اثرات سب سے پہلے خاندان پر ظاہر ہوتے ہیں، اور پھر پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔

تعلیم اور تربیت کسی بھی معاشرتی نظام کی روح ہوتی ہے۔ یہ وہ قوت ہے جو نسلِ نو کی فکری تشکیل کرتی اور قوموں کے مستقبل کا رخ متعین کرتی ہے۔ لیکن جب تعلیم سے الہام، وحی، اور دینی اقدار کو الگ کر دیا جائے تو وہ روحانی و اخلاقی تربیت کے بجائے مادی ترقی اور

---

[30] علامہ محمد اقبال، رموزِ بے خودی لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، اشاعت ندارد، 89

[31] المائدہ، آیت 5، 91

[32] الروم، 30 41

نفس پرستی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ یہی الحادی رجحان کا سب سے نمایاں سماجی اثر ہے کہ تعلیم کو دین سے کاٹ کر محض دنیاوی کامیابی کا ذریعہ بنا دیا گیا۔ قرآن کریم نے علم کا مقصد واضح کرتے ہوئے فرمایا:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِى ٱلَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَٱلَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ[33]

" : کیا وہ لوگ جو جانتے ہیں برابر ہیں ان سے جو نہیں جانتے؟"

لیکن یہ "علم" وہ ہے جو معرفتِ الٰہی کی طرف رہنمائی کرے۔ الحاد نے علم کے مفہوم کو بدل دیا، اور علم کو خدا سے غفلت اور دنیا پرستی کا وسیلہ بنا دیا۔

مذہب سے آزاد نصابِ تعلیم:

جدید دور میں مغربی الحاد کے زیرِ اثر سیکولر تعلیمی نظام نے مذہب کو نصاب سے خارج کر دیا۔ تعلیم کا مقصد اب "روزگار" ہے، "کردار سازی" نہیں۔

تعلیم کا مقصد کسی ماورائی یا مذہبی حقیقت کی تلقین نہیں، بلکہ انسان کو سماجی تجربے، عقل اور عملی زندگی کے لیے تیار کرنا ہے؛ اس لیے تعلیمی نصاب کو مذہبی تصورات سے آزاد ہونا چاہیے۔[34]

روحانی خلا اور الحادی تربیت:

تعلیم اگر روحانی ربط سے خالی ہو جائے تو وہ صرف معلومات دیتی ہے، معرفت نہیں۔ نوجوان نسل جب زندگی کے مقاصد تلاش کرتی ہے تو انہیں روحانی سمت نہیں ملتی، بلکہ مادیت، لذت پرستی اور شک پسندی ان پر غالب آجاتی ہے۔ قرآن کہتا ہے:

فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا ٱللَّهُ[35]

جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔" یہ آیت واضح کرتی ہے کہ حقیقی علم کی ابتدا توحید کی معرفت سے ہوتی ہے۔

الحادی رجحانات اس مرکز کو ختم کرکے تعلیم کو خدا بیزار عقل پرستی کی طرف لے گئے۔ نتیجہ یہ ہے کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ سائنس کو وحی پر مقدم سمجھتا ہے، اور ایمان کو غیر عقلی قرار دیتا ہے۔

سائنسی مادہ پرستی کا غلبہ

---

[33] الزمر, 39 , 9

[34] ڈیوی، جان، جمہوریت اور تعلیم Democracy and Education نیویارک میکملن، ص 87، 1916

[35] محمد 47، 91

الحاد نے تعلیم کے میدان میں سائنس کو واحد اتھارٹی بنا دیا۔ چارلس ڈارون کے نظریہ ارتقا (Theory of Evolution) نے انسانی وجود کے خالقانہ تصور کو چیلنج کیا۔ مغربی نصاب میں یہ نظریہ حقیقت کے طور پر پڑھایا جانے لگا، جس نے نسلِ نو میں خالقِ کائنات کے انکار کی راہ ہموار کی۔ اسلامی مفکر علامہ اقبالؒ نے اس خطرے کو واضح کرتے ہوئے فرمایا: جدید سائنس نے انسان کو مادے کا پجاری بنا دیا ہے۔ قرآن نے علم کو ہمیشہ ایمان کے تابع رکھا، نہ کہ اس کا متبادل بنایا۔

إِنَّمَا يَخْشَى ٱللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ ٱلْعُلَمَٰٓؤُاْ [36]

اللہ سے تو اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔"

خلاصۂ بحث

پاکستان ایک اسلامی نظریاتی ریاست ہے جس کی فکری، تہذیبی اور سماجی بنیادیں قرآن و سنت اور اسلامی اقدار پر استوار ہیں۔ اس تناظر میں الحاد (Ilhād) کا بڑھتا ہوا رجحان محض ایک فکری یا فلسفیانہ مسئلہ نہیں بلکہ ایک ہمہ جہتی سماجی و اخلاقی چیلنج کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ عصرِ حاضر میں سوشل میڈیا، مغربی افکار، سائنسی مادیت، اور بعض داخلی سماجی و معاشی مسائل نے نوجوان نسل میں تشکیک اور لادینیت کے رجحانات کو تقویت دی ہے۔ فکری سطح پر الحاد روایتی مذہبی تصورات، وحی، نبوت اور آخرت کے عقائد پر سوالات اٹھاتا ہے، جس کے نتیجے میں دینی وابستگی میں کمزوری اور مذہبی اقدار سے دوری پیدا ہوتی ہے۔ یہ رجحان بالخصوص جامعات اور شہری متوسط طبقے میں زیادہ نمایاں ہے، جہاں جدید سائنسی تعبیرات اور مغربی فلسفہ اثر انداز ہو رہے ہیں۔ تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر قسم کی فکری تنقید کو الحاد قرار دینا درست نہیں؛ بلکہ علمی مکالمہ اور تحقیقی تنقید معاشرے کی فکری نشوونما کا حصہ ہیں۔ سماجی سطح پر الحاد کا اثر خاندانی نظام، اخلاقی رویّوں اور اجتماعی ہم آہنگی پر دیکھا جا سکتا ہے۔ مذہب چونکہ پاکستانی معاشرے میں اخلاقی ضابطے اور سماجی نظم کا بنیادی ذریعہ ہے، اس لیے جب مذہبی التزام کمزور ہوتا ہے تو انفرادی اخلاقیات، ذمہ داری کا احساس اور سماجی ربط بھی متاثر ہو سکتا ہے۔ مذہبی نمائندوں کے منفی رویّوں، یا معاشرتی ناانصافی کے تجربات کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ایسے افراد مذہب کو مسئلے کی جڑ سمجھ کر اس سے کلی انکار کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ اس صورتِ حال میں مکالمہ، فکری رہنمائی اور مثبت دینی نمونہ پیش کرنا نہایت اہم ہے۔ ریاستی و قانونی سطح پر بھی یہ مسئلہ حساسیت کا حامل ہے، کیونکہ پاکستان کے آئین میں اسلام کو مرکزی حیثیت حاصل ہے جو سماجی تناؤ کو بڑھا سکتے ہیں۔ مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ پاکستانی معاشرے پر الحاد کے اثرات یک رُخی نہیں بلکہ متنوع اور پیچیدہ ہیں۔ اس مسئلے کا حل محض ردّ یا الزام تراشی میں نہیں بلکہ علمی مکالمے، معیاری دینی تعلیم، سماجی انصاف، اور نوجوانوں کی فکری و اخلاقی تربیت میں مضمر ہے۔ اعتدال، برداشت اور دلیل پر مبنی گفتگو کے ذریعے ہی معاشرے کو فکری انتشار سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے اور ایک متوازن، باوقار اور باہم مربوط معاشرتی نظام کو فروغ دیا جا سکتا ہے۔

---

[36] فاطر 35: 2

مصادرومراجع

القرآن،کلام اللہ تعالیٰ

اسکرٹن، راجر، سیکس، خواہش اور تہذیب ،لندن کنٹینیوم، 1986،

امام مالک، موطا، کتاب حسن الخلق، بیروت، دار الکتب العلمیۃ،1997

بخاری، محمد بن اسماعیل۔الجامع الصحیح۔بیروت: دار ابنِ کثیر، 1987

البرٹ کیمیو، سسفس کا افسانہ، ترجمہ لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز

برگر، پیٹر ایل۔مذہب اور جدید دنیا۔نیویارک: اینکر بکس، 1969ء

جیمز فریزر،دی گولڈن بیگ ,ترجمہ از غلام محی الدین، نیشنل بک فاؤنڈیشن، 2005ء

سید ابو الاعلیٰ مودودی، تنقیحات ،لاہور: اسلامی نشریات لاہور،1098ء

شبلی نعمانی، الکلام اعظم گڑھ،دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، 1910ء

علامہ محمد اقبال، رموزِ بے خودی لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، اشاعت ندارد

فخر الدین الرازی، التفسیر الکبیر مفاتیح الغیب بیروت دار احیاء التراث العربی، ء1981

فریڈرک نطشے، دی گے سائنس ترجمہ والٹر کافمین، نیویارک: وِنٹیج بکس، 1974

فریڈرک نطشے، علمِ مسرت ،دی گے سائنس، ترجمہ لاہور: مکتبہ جدید

مارکس، کارل، کمیونسٹ مینیفیسٹو ،ادارۂ مطبوعات، 2005

میک اِنٹائر، الیسڈر، بعد از فضیلتAfter Virtue ، لندن،ڈک ورتھ، 1981

ہابس، تھامس، لیوایتھن ، ، ترجمہ موجودہ اردو/انگریزی اشاعت، لندن: پینگوئن کلاسکس، 1985